تحریر: پروفیسر مولانا محمد علم الدین سالک
ترتیب: پروفیسر احسان الٰہی سالک

ایک نامور امیر البحر سلطان محمد فاتح

سلطان محمد دوم جسے ہم سلطان محمد فاتح کے نام سے پہچانتے ہیں، سلطان مراد دوم کا بیٹا تھا۔ ابھی انیس برس کو پہنچا تھا کہ اس کا باپ دار و گیر جہاں سے آزاد ہو گیا۔ اس کی ذات گوناگوں کمالات کا مرقع تھی۔ اس نے زمام سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ دوست تو دوست دشمن بھی آج تک اس کی تحسین کرتے ہیں، اور تاریخ احترام سے اس کا نام لیتی ہے۔ بڑا ہونہار نوجوان تھا۔ اس کے باپ نے اس کی تربیت کا خاص اہتمام کیا تھا۔ تاکہ وہ بڑا ہو کر ایک کامیاب بادشاہ، بیدار مغز مدبر اور اعلیٰ پایہ کا سپہ سالار بنے۔ چنانچہ اس کے باپ کی یہ مراد بر آئی۔ وہ بڑا فرض شناس، معاملہ فہم اور دور اندیش ثابت ہوا۔ معاملات اور امور سلطنت میں بے حد محتاط تھا اور اپنے راز اپنی ذات تک ہی محدود رکھتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اس نے ایک مہم کے لیے لشکر جمع کیا۔ اس کے ایک خاص افسر نے جس پر سلطان کا بڑا بھروسا تھا، سلطان سے موقع پا کر دریافت کیا کہ "اعلیٰ حضرت کہاں حملے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔ سلطان نے بڑی سختی سے جواب دیا "خدا کی قسم! اگر میری داڑھی کے ایک بال کو بھی میرے ارادے کا علم ہو جائے تو میں اسے نوچ کر آگ میں ڈال دوں"۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جنگوں میں کامیابی دو باتوں پر منحصر ہے۔ ایک رازداری پر اور دوسرے بجلی کی سی سرعت پر۔ سلطان نے اس پر عمل کیا۔ جہاں گیا، کامیاب رہا اور سلطنت کی کامیابی کے لیے اس نے جو منصوبہ بندی کی وہ اس میں کسی دانہ دارانہ اعانت کا منت پذیر نہیں۔ یہ سب کچھ اس کی اپنی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

اس کا باپ مراد ثانی دو لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوشش میں مشغول تھا کہ ارض روم میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ شورش اور بغاوت نے دیکھتے ہی دیکھتے زور پکڑ لیا۔ چنانچہ اسے محاصرہ اٹھا کر واپس آنا پڑا۔ ادھر مراد اندرونی شورشوں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے پیغام اجل آ پہنچا اور محمد ۸۵۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے ارض روم کا رُخ کیا۔ شورش پسندوں کو قرار واقعی سزا دی اور امن و امان قائم کیا۔ اس کے بعد اس نے ہنگری پر حملہ کیا اور بلگریڈ کے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شروع شروع میں سلطان کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی، مگر بعد میں حالات کچھ ایسے پیدا ہو گئے کہ محاصرہ اٹھانا پڑا مگر کئی علاقے اُسے مل گئے۔

جب سلطان محمد فاتح تخت نشین ہوا۔ اس وقت قسطنطنیہ کا بازنطینی بادشاہ قسطنطین یازدہم تھا۔ وہ بہادر اور دلیر تھا مگر سازشی تھا۔ اس نے اس موقعے پر ایک ایسی حرکت کی جس سے سلطان بہت برہم ہوا۔ ایک ترکی شہزادہ اُرخان قسطنطنیہ میں نظر بند تھا۔ اس کی نظر بندی کا خراج سلطان ادا کیا کرتا تھا۔ قسطنطین نے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھایا۔ اور سلطان سے مطالبہ کیا کہ وہ خراج کی رقم میں اضافہ کرے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو وہ اُرخان کو سلطان کے مقابلے میں لاکر اُسے سلطنت دلانے کی کوشش کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ سلطان نوجوان اور ناتجربہ کار ہے اور ایشیائے کوچک کی سازشوں کو دبانے میں بھی مصروف ہے۔ اب اس کی مجبوری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقعہ ہے۔ مگر یہ اس کا خیال خام تھا۔ سلطان بڑے پختہ عزم و ارادے کا مالک تھا اس نے اس کی دھمکی کی پروا نہ کی اور بازنطینی سفیروں کو کسی بہانے ٹال دیا۔

قسطنطنیہ کے بادشاہ بظاہر تو عثمانیوں کی دوستی کا دم بھرتے تھے، لیکن جب ترک شہزادوں میں تخت و تاج کے لیے جنگ و جدل شروع ہوتی تو ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ ایسے شہزادے کی حکومت دلانے میں مدد کریں جو ان کے زیرِ اثر رہے۔ چنانچہ اُرخان ایک ایسا ہی شہزادہ تھا۔ مگر سلطان کے تدبر سے یہ وار خالی گیا اور ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ سلطان پہلے ہی سے قسطنطنیہ فتح کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ عیسائیوں کی سازش اور فتنہ انگیزی نے یہ ارادہ اور بھی پختہ کر دیا۔ اس کے علاوہ اس کے باپ نے مرتے وقت اسے وصیت کی تھی۔ نیز اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی یاد تھی جس میں آپؐ نے اس شہر کے فاتح کی تعریف فرمائی تھی۔

اب سلطان ہر وقت قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی تدابیر پر غور کرتا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار رات کو اسے نیند نہ آئی۔ آدھی رات کے وقت جب بے قراری زیادہ بڑھی تو اپنے وزیرِ اعظم خلیل پاشا کو طلب کیا۔ وہ اس وقت کی طلبی سے گھبرا گیا۔ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نے کہا کہ دیکھیے اضطراب اور پریشانی میں میری کیا حالت ہو گئی ہے، نیند نہیں آتی۔ میں تم سے فقط ایک درخواست کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قسطنطنیہ مجھے دے دو۔"

وزیر کو یقین ہو گیا کہ اب قیصر کا یہ شہر فتح ہو کر رہے گا۔ اس نے سلطان کو تسلی دی اور واپس آ گیا۔

جمادی الاولیٰ ۸۵۷ھ کا آغاز تھا کہ سلطان ایشیا نوپل (ادرنہ) سے ساٹھ ہزار سوار اور تیس ہزار پیادہ فوج کے ساتھ عازمِ قسطنطنیہ ہوا۔ ممتاز بزرگانِ دین بھی ساتھ تھے اور سلطان کی شاہی فوج، رضاکار اور عوام بھی شریک ہوئے۔ ان کی تعداد دو لاکھ کے قریب تھی۔ فوج کے علاوہ سلطان نے اس حملے میں استعمال کرنے کے لیے خاص طور پر بڑی بڑی توپیں تیار کرائیں جو دور دور تک مار کرتی تھیں۔ ان کے علاوہ قلعہ شکنی کے دیگر آلات بھی تھے۔ سلطان نے ایک بحری بیڑہ بھی تیار کرایا جس میں ۱۸۰ جہاز تھے۔ سلطان نے بڑی دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے پہلے قسطنطنیہ سے کوئی پانچ میل کے فاصلے پر تکون کی شکل میں ایک قلعہ تیار کرایا۔ اس کے تینوں گوشوں پر تین مینار تعمیر کرائے۔ یہ قلعہ اس محاصرے میں بڑا مفید ثابت ہوا۔

قسطنطنیہ بظاہر ناقابلِ تسخیر تھا۔ تکون کی شکل کا بنا ہوا تھا۔ اس کے دو طرف پانی تھا۔ ایک طرف دوہری فصیل تھی، جس کے آگے سو فٹ چوڑی خندق تھی جو ہر وقت پانی سے لبریز رہتی تھی، اس کے علاوہ اونچی اونچی چٹانوں کا قدرتی حصار تھا جس کی وجہ سے شہر اور بھی مستحکم ہو گیا تھا۔

سلطانی فوج نے ۹ اپریل ۱۴۵۳ء کو شہر کے سامنے ڈیرے ڈال دیے اور ہر طرف پھیل گئی۔ عیسائی شہر سے باہر نکل کر فوجوں سے لڑتے، مگر زبردست نقصان اٹھا کر پسپا ہو جاتے۔ اس طرح ان کی تعداد کم ہوتی گئی۔ آخر انھیں اس بات کا احساس ہوا اور وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے لگے۔ فصیل سے وہ پتھر، آگ اور تیر برساتے تھے۔

محاصرے کے دوران میں جنیوا اور یونان کے جہاز سامانِ رسد لے کر اہلِ قسطنطنیہ کی مدد کے لیے آئے۔ وہ بحیرہ مارمورا کو عبور کر کے آبنائے باسفورس میں داخل ہوئے۔ ایک سو چالیس ترکی کشتیاں ان کا راستہ روکے کھڑی تھیں۔ ترکی کشتیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ مگر وہ انھیں روکنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ وہ صحیح سلامت سامان لے کر منزلِ مقصود تک پہنچ گئے۔ سلطان ساحل پر کھڑا دیکھتا رہا۔ اس نے فوراً بھانپ لیا کہ جہاں پانی گہرا ہے وہاں ترکی بیڑا عیسائیوں کے بیڑے کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس حالت میں اگر کشتیوں کی بڑی تعداد بندرگاہ کے بالائی حصے میں منتقل کر دی جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ کیوں کہ یہاں پانی بہت کم گہرا ہے اور عیسائیوں کے جہاز اس جگہ نہیں جا سکتے۔ سلطان کی تجویز بالکل ٹھیک تھی۔ مگر اس تجویز پر عمل کرنا بہت مشکل تھا، کیوں کہ بیچ میں خشکی تھی، اسے کیسے عبور کیا جائے۔ سلطان نے سوچ بچار کے بعد اس مشکل پر قابو پانے کے لیے ایسی تدبیر کی جس سے اس کی ذہانت اور عزم و استقلال کا سکہ دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

باسفورس اور قسطنطنیہ کی بندرگاہ کے درمیان ۵ میل کا فاصلہ ہے۔ یہ سارا فاصلہ ناہموار پہاڑیوں اور قسم قسم کی جھاڑیوں سے پٹا ہوا ہے۔ سلطان نے اس درمیانی ناہموار زمین پر تختے بچھوا کر سڑک بنوائی اور ان تختوں پر اتنی چربی ملوائی کہ وہ چکنے ہو گئے اور ایک رات کے اندر اسّی کشتیاں بیل سے کھنچوا کر بندرگاہ کے اس حصے میں پہنچا دیں۔ جب عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ سلطان نے لکڑی کے تختوں سے راستہ بنوا کر اس پر کشتی رانی کی ہے تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب وہ ضرور قسطنطنیہ کو فتح کرے گا۔

اس دوران جنگ جاری رہی اور شہر پناہ کی دیواروں میں تین چار مقامات پر شگاف بھی پڑ گئے۔ سلطان نے قسطنطین یازدہم کو یہ پیغام ارسال کیا کہ اگر وہ شہر کو سلطان کے حوالے کر دے گا تو اسے اور اس کی رعایا کو جان و مال کی امان ہو گی، مگر اس نے پروانہ کی۔ شہر فتح کرنے کا آخری وقت آ گیا۔ سلطان نے اعلان کیا کہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو آخری حملہ ہو گا۔

۲۸ مئی کی رات سلطان اور اس کی سپاہ نے عبادت میں گزاری اور خداوند تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعائیں مانگیں اور ظلم و تعدی سے بچنے کی توفیق طلب کی۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد حملہ شروع ہوا۔ دوپہر تک ترک بڑے جوش و خروش سے لڑتے رہے۔ مگر کامیابی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ یکایک سلطان اپنے خاص دستے کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس نے اپنے تازہ دم دستے کے ساتھ اس زور کا حملہ کیا کہ فلیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان کا ایک سپہ سالار جس پر ان کو بڑا بھروسا تھا، زخمی ہو کر میدان سے بھاگ گیا۔ اس کے بھاگتے ہی میدان جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ قسطنطین نے ہر چند حالات پر قابو پانے اور فوج کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر اس کی کوشش بے سود رہی۔ سلطان کا ایک جانثار آغا حسن آگے بڑھا اور اپنے تیس ساتھیوں کے ساتھ شہر پناہ کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ گو اس کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگ مارے بھی گئے، پھر بھی دوسروں کے لیے راستہ کھل گیا اور ترک دھڑا دھڑ دیوار پر چڑھتے گئے۔ قسطنطین ترکی فوج میں گھس گیا اور بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے قسطنطنیہ ترکی فوجوں سے بھر گیا۔ شہر میں خوب تلوار چلی۔ مگر جب اہل شہر نے مقابلے کا خیال ترک کر دیا تب سپاہیوں نے تلواریں نیام میں کر لیں۔ ظہر کے وقت سلطان اپنے وزیروں اور سرداروں کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ سینٹ صوفیا کے گرجے کے پاس گھوڑے سے اترا۔ اس عالی شان گرجے میں داخل ہوا اور سجدۂ شکر میں گر پڑا۔ مؤذن کو اذان کا حکم دیا۔ چنانچہ اس تثلیث کدے سے توحید کی صدا بلند ہوئی۔ اسی دن سے سلطان کا نام فاتح کہا گیا۔

تمام عالم اسلام میں اس فتح پر مسرت کے جشن منائے گئے۔ کیوں کہ اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بشارت جو آپ نے اپنی امت کو دے گئے تھے پوری ہوئی۔ اس عظیم فتح کے بعد سلطان محمد فاتح نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے قریب ایک عالی شان مسجد تعمیر کی۔ پہلا جمعہ وہاں پڑھا۔ اس وقت کے مشہور ولی اللہ حضرت آق شمس الدین نے جو مجاہدین کی صف اول میں شریک تھے، سلطان کی کمر پر تلوار باندھی۔ اس وقت سے لے کر جب تک آل عثمان کی حکومت قائم رہی یہ دستور جاری رہا کہ آل عثمان میں سے جو سلطان تخت نشین ہوتا، اس کی تاج پوشی اور شمشیر بندی کی رسم اسی مسجد میں ادا ہوتی۔ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ قرار دیا اور وہاں کے عیسائیوں کو مذہبی آزادی عطا کی اور ان کے جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت اپنے ذمے لی۔ فتح قسطنطنیہ سلطان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ مگر اس نے اس کے علاوہ بھی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ چنانچہ یونان نے اسے خراج دینا قبول کیا۔ سرویہ پر ترکوں کا مکمل قبضہ ہوگیا، بوسینا مسخر ہوا۔ وینس والوں نے ہار مانی مگر سلطان کا بہت بڑا کارنامہ جزیرہ نمائے کریمیا کی فتح ہے۔ ترکیہ کی حفاظت اسی صورت میں تھی کہ کریمیا آل عثمان کے قبضے میں آجائے۔ یہ علاقہ ثروت اور استحکام میں قسطنطنیہ سے کسی حیثیت سے کم نہ تھا، اس لیے سلطان نے بڑے اہتمام سے اس پر حملہ کیا اور چار دن کے مقابلے کے بعد اہل کریمیا نے شکست قبول کرلی۔ سلطان نے یہاں کے رہنے والوں کو بڑی مراعات عطا کیں۔ اس حسن سلوک کی بنا پر ڈیڑھ ہزار جوان اپنی خوشی سے ترکی فوج میں شامل ہوگئے۔ سلطانی فتوحات نے یورپ کے اکثر و بیشتر علاقوں پر قبضہ کیا اور اس طرح اٹلی کی فتح کے لیے راستہ بالکل صاف ہوگیا۔ وہ روما پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھا کہ اس کا وقت آخر آپہنچا۔ اور ۳ مئی ۱۴۸۱ء کو اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۵۱ برس کی تھی۔

سلطان محمد فاتح ایک سچا سپاہی اور بہت بڑا سپہ سالار تھا۔ اس نے سلطنت کو وسعت دی۔ اپنے حریفوں کو زیر و زبر کیا، ملک میں نظم و ضبط قائم کیا۔ اس کے لیے ایک مکمل آئین و دستور ترتیب دیا۔ اس دستور کی رو سے فوج، عدلیہ اور نظم و نسق کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔

وہ ترکی زبان کے علاوہ عربی، فارسی، عبرانی، لاطینی اور یونانی بھی جانتا تھا۔ علما کا قدردان اور ان کی سرپرستی کرتا تھا۔ اس نے بہت سے مدرسے جاری کیے، ہسپتال قائم کیے۔ مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ ترکی بحری بیڑے کو ترقی دینا ہے۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد اس نے ترکی بحری بیڑے کی جانب خاص توجہ دی اور اسے اس قدر مضبوط بنا دیا کہ جنیوا اور وینس کے بیڑوں سے زیادہ طاقت ور سمجھا جاتا تھا۔

اور حکومتیں اس کا مقابلہ کرنے سے گھبراتی تھیں۔

اس کے بعد میں آنے والے سلاطین نے اس کی بنائی ہوئی شاہ راہ پر چل کر بیڑے کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ جب فلپ دوئم والیٔ ہسپانیہ شیخی میں "آرمیڈا" سے انگلستان پر حملہ آور ہوا تو انگلستان کی ملکہ الزبتھ نے سلطان ترکی سے التجا کی کہ وہ اس کی مدد کرے اور سلطان ترکی کے بیڑے کی مدد سے اس نے آرمیڈا کو شکست دی۔ خداوند تعالیٰ اپنے اس نیک بندے سے راضی ہو اور اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

مسلم ثقافت ہندوستان میں

مولانا عبدالمجید سالک

اس کتاب میں بڑی وضاحت اور خوش اسلوبی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند کو گزشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔ مسلم ثقافت کی بنیادیں کن اصول و عقائد اور اقدار و معیارات پر قائم تھیں اور قدیم ہند کی معاشرتی خرابیوں کی اصلاح میں ان اصول و اقدار نے کتنا حصہ لیا۔ مسلم حکومتوں نے علم و تعلیم، صنعت و حرفت اور فنونِ لطیفہ کی سرپرستی میں کس قدر دریا دلی سے کام لیا اور ان کے عہد میں تہذیب و ثقافت کو کتنا فروغ ہوا۔ ہندو دھرم کے بنیادی عقائد کو اسلام نے کس طرح متاثر کیا اور ان اثرات کی پیدا کردہ اصلاحی تحریکوں نے عوامی زندگی اور مقامی معاشرے پر کیا اثر ڈالا۔ مسلمانوں کا دورِ عروج ختم ہونے کے بعد تجدید و اصلاح کے لیے کیا کیا کوششیں کی گئیں۔ شاہ ولی اللہ اور سید احمد خاں کی تحریکوں کے کیا کیا نتائج نکلے؟ اقبال نے مسلمانانِ ہند میں دینی و سیاسی بیداری پیدا کر کے کس منزل کی طرف ان کی رہنمائی کی اور قائداعظمؒ نے کس طرح مسلمانوں کو متحد و منظم کیا اور تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنا کر مسلم ثقافت کی تاریخ میں نئے اور درخشاں باب کا آغاز کیا۔

صفحات ۱۱۷ قیمت ۲۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور